حقوق نسواں کا عظیم علمبردار کون

مولانا ذیشان حیدر

آپ ﷺ کی بعثت سے قبل چھٹی صدی عیسوی انسانی تاریخ کا تاریک اور پست ترین دور تھا، انسانیت کی اس کشتی کو جہالت و گمراہی کے بھنور سے نکالنے کے لیے کوئی ملاح نہ تھا، رومی اور ایرانی اگر چہ اس وقت مشرق و مغرب کے ناخدا بنے ہوئے تھے، لیکن مختلف اجتماعی اور اخلاقی گمراہیوں نے ان کی طاقت کو بھی اس حد تک کمزور کر دیا تھا کہ وہ خود تنزلی کے نشیب میں گرتے چلے جا رہے تھے چہ جائیکہ وہ ڈوبتی ہوئی انسانیت کو سہارا دیتے۔

تاریخ کے اس تاریک دور میں اگر چہ عرب اپنی بعض فطری صلاحیتوں اور عادات کی وجہ سے ان تمام اقوام میں ممتاز تھے، لیکن تعلیمات انبیاء سے روگردانی اور باپ دادا کی خود ساختہ رسومات و روایات پر سختی سے قائم رہنے کی وجہ سے بے شمار اخلاقی اور اجتماعی گمراہیوں میں مبتلا تھے اور خود ان کی اپنی سوسائٹی تنزلی اور انحطاط کے انتہا پر تھی۔

عورت ان تمام ادوار میں سب سے زیادہ ظلم و ستم کا شکار رہی، جسے اس وقت کا کوئی مذہب اور قانون تحفظ نہ دے سکا، خود عرب معاشرے میں عورت جانوروں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور تھی، نفرت کا یہ حال تھا کہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر ان کے چہرے شرمندگی سے سیاہ ہو جاتے تھے اور وہ اس عار کا زندگی بھر سامنا کرنے کے بجائے، اسے زندہ در گور کر دینے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے تھے، اس ظلم کی انتہا کے بارے میں صعصعہ بن ناجیہ فرماتے ہیں کہ ”اسلام کے ظہور کے وقت تک میں تین سو زندہ در گور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا“ گویا چند ایک شرفا اس زمانے میں بھی موجود تھے، جو اس ظلم کا حصہ نہ بنے، لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی، اجتماعی طور پر عرب معاشرہ عورت کو کسی بھی قسم کا حق دینے کے لیے تیار نہ تھا۔

اس نازک وقت میں جب کہ انسانیت کی کشتی قریب تھی کہ ڈوب جاتی، اسلام کا آفتاب پورے آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا، جس نے سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کو مکمل حیاتِ نو بخشا، ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں ہر ایک

فرد کے حقوق نہ صرف مقرر کیے گئے، بلکہ اسے عطا بھی کیے گئے، ظلم اور نا انصافی کی چکی میں پسنے والی عورت کو بھی ایک نئی زندگی ملی، اسے وہ تمام تحفظات اور حقوق اسلام نے عطا کیے جس کا تصور بھی اس وقت ندارد تھا، مثالی بات اس سلسلے میں یہ تھی کہ نہ ہیومن رائٹس کمیٹی بنی، نہ ''آزادیٔ نسواں'' اور ''حقوق نسواں'' کے نعرے بلند ہوئے، گویا اسلام نے ان حقوق کو فیاضانہ طور پر حقدار کو بخش دیا۔

اسلام نے عورت کو کیا حقوق دیے؟ کس طرح انہیں تحفظات دیے، معاشرے میں ایک قابل احترام ہستی کا درجہ دیا؟ اس قسم کے سوالات کے جوابات ہمیں واضح طور پر قرآن وحدیث میں ملتے ہیں، جن میں سے چند بنیادی حقوق اور تحفظات کا ہم اجمالاً ذکر کریں گے۔

دور جہالت میں یہ دستور تھا کہ عورتوں کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا، وراثت کا مستحق صرف اسے سمجھا جاتا تھا، جو گھوڑے پر سوار ہو اور دشمنوں کا مقابلہ کر کے مال غنیمت جمع کر سکے (روح المعانی ص ۲۱۰، ج ۴) اور ظاہر ہے کہ عورتیں اس اصول پر پورا نہیں اترتیں، لہٰذا وہ خود بخود وراثت سے محروم ہو جاتیں، لیکن اسلام نے عورت کو اس کا یہ حق دیا، سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''عورتوں کے لیے بھی (خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی) حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو (ان عورتوں کے) ماں باپ (یا دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جائیں، خواہ وہ (چھوڑی ہوئی) چیز قلیل ہو یا کثیر'' (تفصیل کے لیے سورۂ نساء) اور احادیث مبارکہ میں بھی لڑکیوں کو میراث میں سے حصہ دینے کی تاکید اور نہ دینے پر سخت وعید مذکور ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا ''میں تم کو خاص طور پر دو ضعیفوں کے مال سے بچنے کی تنبیہ کرتا ہوں، ایک عورت، دوسرا یتیم''

پھر شادی کے بعد شوہر کے ذمے بیوی کے لیے مہر کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا اور اسے خوش دلی کے ساتھ ادا کرنے کا پابند کیا گیا، چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد باری ہے: واتو آلنسآء صد قتھن نحلة عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی کے ساتھ دو

اور آگے ارشاد ربانی ہے: فان طبن لکم عن شئی منه نفسا فکلوا ھنیئاً مریا۔ یعنی۔ اگر وہ اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ معاف کر دیں، تو تم اس میں سے کھاؤ پیو۔

یہ اس لیے فرمایا کہ دور جاہلیت میں اور صد افسوس کہ آج بھی عورت کو یا تو اس کا مہر دیا ہی نہیں جاتا اور شوہر کے جنازے کے سامنے اس سے معاف کرا لیا جاتا ہے، یا پھر مجازی خدا ہونے کی حیثیت سے زندگی ہی میں معاف کرا لیا جاتا ہے، اگرچہ اس کی دلی رضامندی شامل نہ ہو، لہٰذا ان مظالم کے انسداد کے لیے آیت مبارکہ میں عورت کی ''دلی رضامندی'' کو شوہر کے مہر نہ دینے یا معاف کرا لینے کی صورت میں شرط قرار دیا گیا، تاکہ شوہر اس سلسلے میں عورت پر کوئی دباؤ نہ ڈال سکے، گویا اسلام نے عورت کے لیے شوہر کے ذمے مہر کی ادائیگی اور باپ کی میراث میں اس کے حصے کو متعین

اور مقرر فرما کر عورت کو ایک طرح سے معاشی تحفظ فراہم کیا ہے۔

اسلام نے عورت کو صرف حقوق ہی عطا نہیں کیے، بلکہ معاشرے میں اسے ایک قابل احترام ہستی کا درجہ بھی دیا، ورنہ قبل از اسلام عورت اپنے بنیادی حقوق سے تو محروم تھی، ساتھ ساتھ اس کی حیثیت بھی معاشرے میں نہایت کمتر اور حقیر درجے کی تھی، وہ محض بچہ پیدا کرنے اور اسے پالنے والی ایک باندی تھی، جس کے جذبات واحساسات اور قربانیوں کی کوئی قدر نہ تھی، اسلام نے عورت کے جذبات واحساسات اور قربانیوں کو تسلیم کیا، اسے ''ماں'' کے عظیم اور قابل احترام مقام پر فائز کیا، اور اولاد پر اس کی خدمت کو فرض قرار دیا۔

قرآن پاک میں جا بجا والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے اور بعض مقام پر ماں کی (بچے کی پیدائش اور پرورش کے سلسلے میں پیش آنے والی) تکالیف، بے مثال قربانیوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ سورہ لقمان میں ارشاد باری ہے ''اور انسان کو ہم نے ماں باپ کے متعلق تاکید کی (کہ ان کی اطاعت اور خدمت کرلے، کیونکہ انہوں نے بالخصوص اس کی ماں نے اس کے لیے بڑی مشقتیں جھیلی ہیں) چنانچہ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے (ان دنوں میں بھی ماں اس کی ہر طرح سے خدمت کرتی ہے)

احادیث مبارکہ میں بھی والدین بالخصوص والدہ کے ساتھ حسن سلوک کی نہایت تاکید آئی ہے اور ان کے حقوق کی عدم ادائیگی پر سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ (رشتے داروں میں) میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ سائل نے پوچھا، پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے دریافت کیا، پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، سوال کرنے والے نے عرض کیا، پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا باپ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ تمہاری جنت ودوزخ ہیں'' (سنن ابن ماجہ)

حتیٰ کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ''جنت ماں کے قدموں تلے ہے'' گویا صوفیوں کی عبادتیں اور زاہدوں کی ریاضتیں، مجاہدین کا جہاد، علما کا علم اور سخی کی سخاوت مقبول نہیں، جب تک اس کی ماں کا دل اور آنکھ اس کے حسن سلوک سے ٹھنڈی نہیں ہوتیں۔

عورت جب رفیقہ حیات بنتی ہے تو اسلام اسے بے شمار تحفظ عطا کرتا ہے، وہ اپنے گھر کی ملکہ ہوتی ہے، جس کی

کفالت کی پوری ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے، اسے اس بات کا پابند کیا جاتا ہے کہ ”ان عورتوں کے ساتھ خوبی سے گزارا کرو“ (النساء ۱۹) یعنی خوش اخلاقی اور محبت سے پیش آؤ، ان کے نان نفقہ کی خبر گیری کیا کرو۔ خود آپ ﷺ نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی خوب تاکید اور وصیت فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو) ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یوں ہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے، تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی اس لیے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو“ (صحیح بخاری، مسلم)

اور اگر کبھی اس مضبوط رشتے کی دیواروں میں دراڑیں پڑنے لگیں اور مزاجوں اور طبیعتوں میں عدم مناسبت و موافقت کی وجہ سے دلوں میں محبت والفت کے بجائے بیزاری اور بدگمانی جنم لے لیں اور ایک ساتھ زندگی گزارنا ناممکن نظر آئے، تو باوجود اختلافات کے قرآن شوہر کو پابند کرتا ہے کہ ان کو اپنے گھروں سے دھتکارو نہیں، بلکہ احسن طریقے سے ان کو اپنے گھر سے رخصت کرو، جس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق نہ دے، بلکہ اس طہر میں طلاق دے، جس میں صحبت (ازدواجی تعلق قائم کرنے کی) کی نوبت نہ آئی ہو، جس کی حکمت ظاہر ہے کہ ناپاکی کی حالت میں بیوی کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی، جب کہ حالت طہر میں اس کا کافی امکان ہے کہ شوہر کے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا ہو جائے اور طلاق جیسے قبیح فعل کی نوبت ہی نہ آئے، اس حکم شرعی میں بھی پوری رعایت عورت کی رکھی گئی، تا کہ اس کا ہنستا بستا گھر تباہ نہ ہو، اور اس کا دامن ”مطلقہ“ کے داغ سے داغ دار نہ ہو۔

یہ صنف نازک پر اسلام کے وہ احسانات ہیں، جن کا اعتراف غیر مسلم مورخین اور دانشوروں نے بھی کیا۔

معروف فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں ”اسلام نے مسلمان عورتوں کی تمدنی حالت پر نہایت مفید اور گہرا اثر ڈالا اور انہیں ذلت کی بجائے عزت و رفعت سے سرفراز کیا اور کم وبیش ہر میدان میں ترقی سے ہم کنار کیا، چنانچہ قرآن کا قانون وراثت وحقوق نسواں یورپ کے قانون وراثت وحقوق نسواں کے مقابلے میں بہت زیادہ مفید اور زیادہ وسیع اور فطرت نسواں سے زیادہ قریب ہے۔“

ای بلائیڈن لکھتا ہے ”سچا اور اصلی اسلام جو محمد ﷺ لے کر آئے اس نے طبقہ نسواں کو وہ حقوق عطا کیے، جو اس سے پہلے طبقے کو انسانی تاریخ میں نصیب نہیں ہوئے تھے۔“

آئرینا میڈمکس لکھتا ہے ''محمد ﷺ نے تین چیزوں کو اپنی پسند قرار دیا نماز، روزہ، خوشبو اور عورت، آپ کے لیے عورت قابل احترام تھی، اس معاشرے میں جہاں مرد اپنی بیٹیوں کو پیدائش کے وقت زندہ دفن کر دیتے تھے محمد ﷺ نے وہاں عورت کو جینے کا حق دیا(women in Islam 1930)

مشہور غیر مسلم سیرت نگار آر، وی سی باڈلے نے لکھا ''درحقیقت آج بھی ایک مسلمان مرد کو اپنی بیوی کی جائیداد پر اتنے حقوق نہیں ہیں، جتنے اکثر یورپین ممالک میں شوہر کو ہیں، اسلام نے، جسے تیرہ سو سال قبل عورت کو اپنی ملکیت کے حق شوہر سے قطعی آزاد اور خود مختار بنا دیا تھا...... جب کوئی شخص ان احکام کو اور اسی قبیل کے بہت سے احکام کو پڑھتا ہے، جو حضرت محمد ﷺ نے اپنی زندگی میں وضع کیے تو اس ضمن میں آپ ﷺ کو بدنام کرنے والوں کی بے انصافیوں پر حیران رہ جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ عورت کے متعلق اسلام کی تعلیمات کی دل کھول کر بدگوئی کر کے اور مسلمان عورت کو دنیا کی دوسری عورتوں کی نظروں میں ذلیل اور بے عزت کر کے خوش ہوتے ہیں(the messenger (page on356

لیکن صد افسوس کہ آج ان حقائق سے چشم پوشی کر کے نہ صرف عالمی سطح پر، بلکہ پاکستان میں بھی یہ پروپیگنڈہ نہایت زور و شور سے کیا جا رہا ہے کہ اسلام میں عورت کو وہ حقوق اور تحفظ حاصل نہیں، جو مغرب میں قانونی طور پر اسے حاصل ہیں، اس دعویٰ میں اگر چہ صراحتاً ''اسلام'' کا لفظ فی الحال استعمال نہیں کیا جا رہا ہے، لیکن اگر باریک بینی سے ان دعووں کا جائزہ لیا جائے تو مطلب یہی نکلتا ہے کہ اسلام نے عورت کو چادر اور چار دیواری میں قید کر دیا ہے، جو ملکی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، لہٰذا اب مغربی عورت کی طرح مسلمان عورت کو بھی چادر اور چار دیواری کے فرسودہ اور دقیانوسی نظام سے باہر نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ قومی تعمیر و ترقی میں برابر کا حصہ لینا چاہیے، یہ وہ سوچ اور نظریہ ہے، جسے آزادیٔ نسواں، حقوق نسواں، روشن خیالی اور اعتدال پسندی جیسے دلفریب اور مسحور کن نعروں سے مزین کر کے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی طاقت کے ذریعے مسلمان عورت کے دل و دماغ میں اتارا جا رہا ہے، انہیں شعوری اور غیر شعوری طور پر اس بات پر آمادہ کیا جا رہا ہے کہ وہ چادر اور چار دیواری کی مضبوط اور محفوظ پناہ گاہ سے نکل آئیں، اس لیے کہ اغیار جانتے ہیں اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ جس معاشرے میں عورت ''بے لگام'' ہو جائے، اس معاشرے کی نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں، پھر ان کا ادب بھی ''بے ادب'' ہو جاتا ہے، جو محبوب کی زلفوں سے شروع ہو کر اس کے قدموں تک محدود ہو جاتا ہے، پھر شاہین کا جہاں ''ممولے'' کا جہاں کہلاتا ہے۔

ذرا مغربی معاشرے کا جائزہ لیں، عورت کو آزادی دینے کے بعد آج ان کا معاشرہ خود تباہی سے دوچار ہے جس کا اعتراف خود سوویت یونین کے آخری صدر ''میخائل گورباچوف'' نے اپنی کتاب ''پروسٹرائیکا'' میں'' status of

women'' کے عنوان کے تحت کیا ہے ''ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے اور پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا، اس لیے کہ مرد بھی کام کر رہے ہیں اور عورتیں بھی کام کر رہی ہیں، لیکن پیداوار کے زیادہ ہونے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہونے کے نتیجے میں جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں، وہ ان فوائد سے زیادہ ہیں جو پروڈکشن کے اضافے کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے، لہٰذا میں اپنے ملک میں ''پروسٹرائیکا'' کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں، اس میں میرا ایک بڑا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے، اس کو واپس گھر میں کیسے لایا جائے؟ اس کے طریقے سوچنے پڑیں گے، ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے، اسی طرح ہماری قوم تباہ ہو جائے گی۔''

آج مغربی عورت اپنا اصل مقام کھو چکی ہے، وہ بازار میں بکنے والا ایک ایسا کھلونا بن گئی ہے، جسے جب چاہا خریدا کھیلا اور پھینک دیا، وہ جنسی درندوں اور ہوس پرستوں کی تسکین کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے، آزادی اور حقوق کا جھانسہ دے کر ماڈلنگ، فیشن، شوز، ایکٹنگ اور موسیقی کے نام پر اس کا ہر ایک عضو دنیا کے اس بازار میں فروخت ہو رہا ہے اور اسی مقام پر صہیونی طاقتیں آج مسلمان عورت کو بھی لا کھڑا کرنا چاہتی ہیں، اس ناپاک مقصد کے حصول کے لیے ان کی سب سے بڑی معاون وہ این جی اوز (Non Government Organization) ہیں جن کی منتظمات مراعات یافتہ طبقے (privileged class) سے تعلق رکھنے والی وہ مغرب زدہ بیگمات ہیں، جو شہر کے پوش علاقوں میں عالی شان بنگلوں اور ولاز میں رہتی ہیں، جن کے محلات وال ٹو وال کارپٹ، درآمد شدہ فانوس اور اینٹیک سے مزین ہیں، جن کے قدم پجیرو، مرسڈیز، بیوک اور رولز رائس سے نیچے نہیں اترتے، جو ایئر کنڈیشن کے بنا چند منٹ نہ گزار سکیں، جن کے ایک دن کا خرچہ غریب کی پورے مہینے کی آمدنی کے برابر ہے۔

حقوق نسواں کی یہ علمبردار گھر سے ماں کے مقدس آنچل کو روند کر اور باپ کی شرافت اور غیرت کو ٹھوکر مار کر بھاگنے والی لڑکی کے حق میں تو سڑکوں پر آ جاتی ہیں، لیکن چوہدریوں، وڈیروں اور جاگیرداروں کے زندانوں میں مجبور و بے بس عورت کی آہیں اور سسکیاں انہیں سنائی تک نہیں دیتی ہیں اور اگر کبھی کسی کی پکار سنی بھی تو مختاراں مائی جیسی عورتیں ملک کی عزت پر تہمت اور ان کی شہرت کا ذریعہ بن گئیں۔ کیا حقوق نسواں کی ان نام نہاد ٹھیکیداروں نے کبھی اندرون سندھ جا کر اس عورت کو بھی گلے لگا کر اس کے ہاتھ چومے جو سندھ کی چمکتی دھوپ میں تپتی ریت پر سر پر بوجھ لادے ننگے پاؤں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے؟ کیا حقوق نسواں بل کی حمایت میں چیخنے چلانے والی ان خواتین نے کبھی ان لڑکیوں کے لیے بھی کسی تحریک کا آغاز کیا، جن کے ہاتھ پیلے ہونے میں غربت رکاوٹ بن گئی اور کمزور باپ کا بے بس آنسو ان کے بالوں میں چاند بن کر چمکنے لگا۔ کروڑ پتی شوہروں کی ان ''وہلی'' بیویوں نے کبھی اس عورت کو بھی اپنے ساتھ

بٹھا کر ''امپورٹڈ کراکری'' میں کھانا کھلایا ہے، جو ان کی چاکری میں صبح سے شام کر دیتی ہے۔

حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ پرل کانٹی نینٹل جیسے بڑے بڑے ہوٹلوں میں ان ہی عورتوں کے مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے، ان ہی عورتوں کو کبھی دعوت نہیں دی گئی۔

ہاں شرکت کی تو ان عورتوں نے جن کے تن پر ہزاروں کا قیمتی سوٹ کسا ہوا اور لاکھوں روپوں کی جیولری لٹکی ہوئی ہوتی ہے، جن کا مقصد محض وقت گزاری اور میڈیا میں ''ان'' رہنا ہے۔ ان حقیقتوں کا کبھی ذی شعور اور عقل مند آدمی انکار نہیں کر سکتا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملک کی تعمیر و ترقی میں مرد کی طرح عورت کا بھی خصوصی کردار ہوتا ہے، جس کی گود ہی معماران وطن کی پہلی درس گاہ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج تک کبھی کسی ''مولوی'' نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ ملک کی تعمیر و ترقی میں عورت کا کوئی کردار نہیں، لہٰذا حصول علم اور ترقی کے تمام دروازے بند کر کے انہیں چار دیواری میں قید کر دیا جائے، البتہ اس بات کی ہمیشہ کوشش اور تبلیغ کی ہے کہ اسلام نے جو حقوق عورت کے متعین اور مقرر کیے ہیں، وہ اسے ضرور ملنے چاہیے اور آزادی کی جو حدود شریعت نے مقرر کیں ہیں، ان کی انفرادی اور اجتماعی پابندی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ نہ صرف خود عورت ذات کے لیے، بلکہ معاشرے کی درستگی کے لیے بھی نہایت ضروری ہے، لیکن کیا آزادی نسواں اور روشن خیالی کے دعوے دار یہ بتانا پسند کریں گے کہ عورت کو سر بازار نمائش بنا کر ان سے چادر اور چار دیواری کا مضبوط تحفظ چھین کر اب تک ان کے کون کون سے مسائل حل ہو گئے ہیں؟ کیا میراتھن ریس کے نام پر نیم عریاں لباس میں قوم کی بیٹیوں کو سڑکوں پر دوڑانے سے سینما، تھیٹر اور ٹی وی پر ثقافت اور فن کے نام پر اسے نچانے سے ہم خوش حال اور ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے؟ کیا مادر پدر آزادی ہی روشن خیالی ہے؟ کیا اسلام آج ہماری رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے، جو نت نئے قوانین وضع کیے جا رہے ہیں۔

آج کی عورت کو سوچنا ہوگا کہ اس کے حقوق اور تحفظات کا علمبردار اسلام ہے، یا مغرب اور مغرب زدہ تحریکیں؟ اقبال تو فرما گئے۔

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں مردان خردمند
کیا چیز ہے آرائش وہ قیمت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرد کا گلوبند؟

☆☆☆